نوجوانوں میں لیڈر شپ کی اہلیت کی اہمیت

از
سیدنا حضرت میرزا بشیر الدین محمود احمد
خلیفۃ المسیح الثانی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

نوجوانوں میں لیڈر شپ کی اہلیت کی اہمیت

(خلاصہ خطاب فرمودہ 24۔اگست 1953ء بمقام احمدیہ ہال کراچی)

کارگزاری کی رپورٹ

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور نے مجلس خدام الاحمدیہ کی کارگزاری کے متعلق قائد صاحب کی رپورٹ کا ذکر کرتے ہوئے اراکین مجلس سے فرمایا:-

"کام کا اندازہ آپ لوگ زیادہ لگا سکتے ہیں کہ جنہوں نے خود اس کی سرانجام دہی میں حصّہ لیا ہے۔ اگر رپورٹ مبالغہ سے خالی ہے اور پوری احتیاط سے لکھی گئی ہے تو میں کہہ سکتا ہوں کہ خدام الاحمدیہ کی مجالس میں سے بہت کم مجالس ایسی عملی رپورٹ پیش کر سکی ہیں۔ چونکہ پاکستان میں یہ مقام بہت اہمیت رکھتا ہے اور ویسے بھی دارالحکومت ہونے کی وجہ سے غیر ممالک کی اس پر نظریں رہتی ہیں۔ اس لئے یہاں کی مجلس کا اچھا کام ہمارے لئے خوشی کا موجب ہے۔ اگر سارے خدام اس ذمہ داری کو سمجھتے ہیں کہ ہم نے صرف مجلس ہی قائم نہیں کرنی بلکہ کام کرنا ہے تو یقیناً اس سے جماعت میں بہت بیداری پیدا ہو سکتی ہے۔

نوجوانوں کی ذمہ داری

ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں زندگی کے ساتھ ساتھ موت کا سلسلہ بھی قائم کیا ہوُا ہے۔ لوگ پیدا ہوتے ہیں اور ایک عرصہ تک زندگی گزارنے کے بعد مَر جاتے ہیں۔ موت سے جو ایک خلا پیدا ہوتا ہے اسے پورا کرنا نوجوانوں کا کام ہے۔ اگر نوجوانوں کی حالت پہلے لوگوں کی مانند ہو یا ان سے بہتر ہو تو قوم تنزّل سے محفوظ رہتے ہوئے ترقی کے راستے

پر بدستور گامزن رہتی ہے لیکن اگر نوجوان ہی قومی کردار کے اعتبار سے معیار پر پورے نہ اُترتے ہوں تو پھر قوم کا مستقبل تاریک ہو جاتا ہے۔ سو قوم کی آئندہ ترقی کا دارومدار نوجوانوں پر ہوتا ہے۔ جس فوج کا ہر سپاہی سمجھ لے کہ شاید آگے چل کر میں ہی کمانڈر انچیف بن جاؤں تو وہ یقیناً اس احساس کے تحت اپنے عمل و کردار کو ایسے طریق پر ڈھالے گا جو بالآخر اسے اس عہدے کا اہل بنادے۔ یہاں تک کہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ اس فوج کے تمام سپاہیوں میں کمانڈر انچیف بننے کی اہلیت پیدا ہو جائے گی لیکن اگر فوج کا ہر سپاہی یہ سمجھ بیٹھے کہ میں تو کمانڈر انچیف نہیں بن سکتا تو وہ فوج گرتے گرتے اس حالت کو پہنچ جائے گی کہ اس میں ڈھونڈے بھی کوئی شخص ایسا نہ ملے گا کہ جو اس عُہدے کی ذمہ داری سنبھال سکے۔ پس جماعت کی ترقی کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ اس کے ہر فرد میں یہ احساس پیدا ہو کہ بڑے سے بڑا کوئی عُہدہ ایسا نہیں ہو سکتا جس کی ذمہ داریوں کو مَیں کماحقہ ادا نہ کر سکوں۔ جب تک ہر فرد اس احساس کے ماتحت آگے بڑھنے کی کوشش نہ کرے اُس وقت تک قومی اعتبار سے وہ صلاحیت پیدا نہیں ہو سکتی جس کا پیدا ہونا تحفظ و بقاء اور ترقی کے لئے ضروری ہے۔ پس تم میں سے ہر شخص کو یہ کوشش کرنی چاہیئے کہ وقت پڑنے پر وہ بڑے سے بڑا عُہدہ سنبھالنے کا اہل ثابت ہو سکے۔

کامل علم اور کامل عمل

اس کوشش اور جدوجہد میں کامیاب ہونے کے لئے دو چیزیں ضروری ہیں۔ علمِ کامل اور عملِ کامل۔ علمِ کامل اس بات کا مقتضی ہے کہ وہ اس جماعت یا مذہب یا سیاست کا بغور مطالعہ کرتا رہے جس سے وہ منسلک ہے۔ اسی طرح عملِ کامل کے لئے ضروری ہے کہ نظم و ضبط اور جماعتی پابندی کو لازم پکڑا جائے۔ دوسرے اپنے اندر خیال آرائی اور بلند پروازی پیدا کی جائے۔ کیونکہ جب تک انسان اِس صفت سے متصف نہ ہو اس وقت تک آگے بڑھنے اور ترقی کرنے کی صلاحیت پیدا نہیں ہو سکتی۔

ترقی کا سلسلہ لامتناہی ہے

قومی اعتبار سے ترقی کا کوئی مقام ایسا نہیں ہوتا جسے انتہائی منزل سے تعبیر کیا جاسکے۔ دُنیا میں کوئی قوم بھی ایسی نہیں گزری کہ جو یہ دعویٰ کر چکی ہو کہ وہ ترقی کے اس مقام تک پہنچ گئی ہے کہ جس سے آگے ترقی کرنا ممکن نہیں ہے۔ قرآن کریم نے اللہ تعالیٰ کی یہ شان بیان فرمائی ہے کہ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَأْنٍ [1] کہ وہ ہر روز ایک نئی حالت میں ہوتا ہے۔ شَأْنٍ اسی چیز کو کہیں گے جو غیر متوقع اور غیر معمولی ہو۔ تو كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَأْنٍ کا مطلب یہ ہؤا کہ خدا تعالیٰ کی صفات ایسی ہیں کہ ان کے مطابق وہ ہر روز دُنیا میں تبدیلیاں پیدا کر رہا ہے لیکن وہ تبدیلیاں غیر معمولی ہوتی ہیں اور پہلے سے بڑھ کر ہوتی ہیں۔ پس انسان بھی جسے اس نے دنیا میں امور کی سر انجام دہی کے لئے ایک واسطہ بنایا ہے۔ جُہدِ مسلسل کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ کوئی مقام ایسا نہیں آسکتا جس کے بعد وہ اپنے آپ کو جدوجہد اور عمل و کوشش سے بے نیاز سمجھنے لگے۔ اسی امر کے لئے کہ اس کی جدوجہد اعلیٰ سے اعلیٰ نتائج پر منتج ہو۔ ضروری ہے کہ وہ خیال آرائی اور بلند پروازی سے کام لے۔ جب بھی وہ بلند پروازی اور خیال آرائی سے کام لینا چھوڑ دے گا اس کی سب کوششیں بے نتیجہ ہو کر رہ جائیں گی۔

بُلند پروازی کی تعریف

غلام قوم میں سب سے بڑی بُرائی یہی ہوتی ہے کہ وہ غور و فکر کی عادت کھو بیٹھتی ہے۔ اس کے افراد صبح سے شام تک اور شام سے صبح تک حال میں ہی محو رہتے ہیں اور مستقبل کی طرف کوئی دھیان نہیں دیتے اور اگر کبھی اس طرف متوجہ ہوتے بھی ہیں تو بے حقیقت اور خیالی باتوں سے آگے نہیں جاتے۔ کوئی پروگرام اور کوئی سکیم ان کے مدِّ نظر نہیں ہوتی۔ محض ایک خیال دل میں پیدا ہوتا ہے جسے عملی جامہ پہننا کبھی نصیب نہیں ہوتا۔ حالانکہ سکیم اس کو کہتے ہیں کہ فلاں چیز ملنی ممکن ہے اسے حاصل کرنے کے لئے فلاں فلاں ذرائع کی ضرورت ہے اور وہ ذرائع فلاں فلاں نوعیت کی کوشش کے بغیر مہیّا نہیں ہو سکتے۔ تو گویا ذرائع معلوم کرنے کے بعد یہ سوچنا کہ ان ذرائع کو کیونکر فراہم کیا جاسکتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں بُلند پروازی کہلاتی ہے۔

بلند پروازی اس کو کہتے ہیں کہ انسان اپنی موجودہ حالت سے اوپر ایک مقصد معیّن کرے۔ پھر یہ سوچے کہ یہ مقصد کن ذرائع سے حاصل ہو سکتا ہے۔ جب ذرائع اپنی معیّن صورت میں سامنے آجائیں تو پھر اس امر پر غور کرے کہ کن طریقوں سے یہ ذرائع فراہم ہو سکتے ہیں۔ جب کوئی شخص یہ طریقے معلوم کر کے مصروفِ عمل ہو جاتا ہے تو ذرائع خود بخود پیدا ہو جاتے ہیں اور بالآخر وہ مقصد مل جاتا ہے جس کے لئے یہ سب کوشش ہو رہی تھی۔ اگر ایسا ظہور میں نہیں آتا تو وہ بلند پروازی نہیں خام خیالی یا واہمہ ہے۔ ایسا شخص ہمیشہ خوابوں کی دُنیا میں اُلجھا رہتا ہے۔ پس ہماری جماعت کے نوجوانوں کو غور و فکر اور بُلند پروازی کی عادت ڈالنی چاہئے''۔

غور و فکر کی عادت سے کام لینے کا طریق

اس مرحلہ پر حضور نے مثالیں دے دے کر واضح کیا کہ غور و فکر سے کیونکر کام لیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ حضور نے فرمایا:-

''مثلاً آپ ''المصلح'' میں امریکہ یا ہالینڈ کے مشن کی رپورٹ پڑھتے ہیں۔ آپ کے لئے اتنا ہی کافی نہیں ہے کہ آپ اسے پڑھ کر وہاں کے حالات سے باخبر ہو جائیں بلکہ رپورٹ میں نو مسلموں کی تعداد پڑھتے ہی آپ کو سوچنا چاہئے کہ اس مُلک میں بیعت کی رفتار کیا ہے؟ وہاں کب سے مشن قائم ہے اور اس عرصہ میں کتنے آدمیوں نے بیعت کی؟ بیعت کی رفتار نکالنے کے بعد آپ اندازہ لگائیں کہ اس حساب سے وہ مُلک کتنے عرصہ میں جاکر مسلمان ہو گا اور اسی طرح ہم کتنے عرصہ میں توقّع کر سکتے ہیں کہ ساری دُنیا اسلام کو قبول کرلے گی۔ اگر بیعت کی رفتار کے مطابق آپ اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ اس مُلک کے مسلمان ہونے میں سینکڑوں کیا ہزار سال لگ جائیں گے جیسا کہ بظاہر حالات نظر بھی آرہے ہیں تو پھر آپ کو سوچنا چاہئے کہ تبلیغی مساعی کو کیونکر مثمر بثمرات بنایا جاسکتا ہے۔ یہاں یہ کہہ کر آپ اپنے دل کو تسلّی نہیں دے سکتے کہ کوشش کرنا ہمارا کام ہے نتیجہ خدا کے ہاتھ میں ہے اور اگر خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہیں ہوتا تو اس میں ہمارا کیا دخل ہے؟ اس میں شک نہیں نتیجہ پیدا کرنا اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے لیکن خدا

ظالم نہیں کہ وہ کسی کی کوششوں کو رائیگاں جانے دے۔ سوال پیدا ہو گا خدا نے ابراہیم علیہ السلام کی کوششوں کو کیوں بے نتیجہ نہ رہنے دیا؟ اس نے نوح علیہ السلام کی کوششوں کو کیوں بے نتیجہ نہ رہنے دیا؟ اس نے موسیٰ علیہ السلام کی کوششوں کو کیوں بے نتیجہ نہ رہنے دیا؟ اس نے بدھ کی کوششوں کو کیوں بے نتیجہ نہ رہنے دیا؟ اس نے رامچندر کی کوششوں کو کیوں بے نتیجہ نہ رہنے دیا؟ صاف بات ہے کہ انہوں نے اپنی ذمہ داری کو اس طرح ادا کیا کہ جو ادا کرنے کا حق تھا۔ پس ایسی صورت میں آپ کو اپنی کوششوں کو تیز کرنا چاہئے نہ یہ کہ آپ دل کو تسلّی دے کر بیٹھے رہیں۔ یہ کہنا کہ ہم اس لئے ناکام رہ گئے کہ نتیجہ خدا کے ہاتھ میں تھا بالکل غلط ہے۔ ایسا کہنے والا شرارتی ہے۔ اگرچہ یہ بات صحیح ہے کہ نتیجہ خدا کے ہی ہاتھ میں ہوتا ہے لیکن خدا بھی کسی وجہ سے نتیجہ پیدا کرتا ہے۔ ہمارا خدا بھی آئینی خدا ہے۔ وہ ڈکٹیٹر نہیں۔ وہ ہر چیز حکمت کے ساتھ کرتا ہے۔ وہ یہ نہیں کہتا کہ ہم دیں نہ دیں ہماری مرضی۔ وہ کہتا ہے کہ اگر تم استحقاق پیدا کر لو تو ہم انعام ضرور دیں گے اور اگر نہ دیں تو ہم ظالم۔ صحیح طریق پر کام لو تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم انعام نہ دیں۔ نتیجہ بے شک خدا کے ہاتھ میں ہے لیکن اس نے نتیجے کو ہمارے تابع کرنے کے لئے کچھ قانون بنا دیئے ہیں۔ خود فیصلہ کرنا بندے کے اختیار میں نہیں لیکن خدا کے ہاتھ کو پکڑ کر فیصلہ کروانا بندے کے ہاتھ میں ہے"۔

ایک اَور مثال

غور و فکر کی عادت سے کام لینے کے طریق واضح کرتے ہوئے حضور نے ایک اَور مثال دی۔ فرمایا:-

"اگر تم یہ سوچو کہ دُنیا ہماری مخالفت کرتی ہے تو ساتھ ہی تمہیں یہ بھی سوچنا چاہئے کہ دُنیا مخالفت کیوں کرتی ہے؟ اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ سچی تحریکوں کی مخالفت ہوتی ہی آئی ہے۔ یہ ہے صحیح لیکن ساتھ ہی تمہیں یہ سوچنا پڑے گا کہ کیا یہ مخالفتیں ہمیشہ ہمیش جاری رہتی ہیں؟ کیا پہلوں نے ان مخالفتوں کو دبانے اور کم کرنے کا کوئی طریقہ نہیں نکالا تھا؟ کیا آدمؑ، نوحؑ، ابراہیمؑ اور موسیٰ و عیسیٰؑ نے ان مخالفتوں سے ہار مان لی تھی؟ اگر اُنہوں نے ہار نہیں مانی تھی تو ہم کیوں ہار مانیں؟ اور کیوں نہ ایسا رستہ

نکالیں کہ جس سے یہ مخالفتیں آپ ہی ختم ہو جائیں۔ اگر تم سوچتے تو تمہارے سامنے خود راستے کھل جاتے۔ ہر شخص کو چاہئے کہ وہ اپنی اپنی جگہ غور و فکر کی عادت ڈالے اور محض دوسروں کے غور و فکر پر تکیہ نہ کرے۔"

حواس کی بیداری

غور و فکر کی عادت پیدا کرنے کے طریقوں پر مزید روشنی ڈالتے ہوئے حضور نے بچپن ہی سے تربیت کرنے اور بالخصوص حواس کو بیدار رکھنے کی اہمیت پر بہت زور دیا اور اس ضمن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زرّیں ہدایات نیز آئمہ کرام اور شاہانِ اسلام کے سبق آموز واقعات پیش کرنے کے بعد حضور نے واضح فرمایا کہ اگر حواس بیدار ہوں تو انسان بہت سے خطرات سے بچ کر اپنے لئے ترقی کے راستے پیدا کر سکتا ہے۔

اس ضمن میں حضور نے سوچنے کی عادت ڈالنے کی طرف پھر توجہ دلائی اور فرمایا:۔

"باوقار طریق پر سوچنے اور غور کرنے کی عادت ڈالو تا کہ تم میں ایسی روح اور جذبہ پیدا ہو جائے کہ تم وقت آنے پر بڑی سے بڑی ذمہ داری اُٹھا سکو۔ کام کرنے کا جذبہ قوم کو اُبھار دیتا ہے۔ پھر کسی کے مَرنے یا فوت ہونے سے حوصلے پست نہیں ہوتے۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے صحابہؓ میں غور و فکر کی عادت پیدا کر کے ان میں جذبۂ عمل بھر دیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان میں کسی کے مَرنے یا فوت ہونے سے کبھی خلا پیدا نہیں ہوا۔ ہر موقع پر کوئی نہ کوئی لیڈر آگے آتا رہا اور مسلمان اس کی قیادت میں منزل بہ منزل کامیابی و کامرانی کی طرف بڑھتے رہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے آگے آکر خلاء کو پورا کر دیا اور قوم میں پست ہمتی قطعاً پیدا نہ ہونے دی۔ آپؓ نے اس موقع پر صحابہؓ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔ اگر کوئی شخص محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کو خدا سمجھتا تھا تو وہ سُن لے کہ اُس کا خدا فوت ہو گیا لیکن جو اسی حیّ و قیوم ہستی کو خدا مانتا ہے کہ جس نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو مبعوث کیا تھا تو اس کو مایوس ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ زندہ ہے اور اس پر کبھی موت وارد نہیں ہوتی۔[2]

پس کام فکر اور سمجھ کے مطابق کرنے چاہئیں۔ اگر ایسا کرنے لگ جاؤ گے تو تم میں سے ہر شخص کمان کے قابل ہو جائے گا۔ یہی چیز قوم کو خطرات سے بچانے والی ہوتی ہے کہ اس کے ہر فرد کے اندر لیڈر شپ کی صلاحیت موجود ہو۔ جب یہ صلاحیت قوم میں عام ہو جائے تو پھر لیڈر ڈھونڈنے یا مقرر کرنے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ ایسی حالت میں وقت پڑنے پر لیڈر شپ خود بخود اُبھر کر آگے آجاتی ہے اور قوم پر ہراساں یا پریشان ہونے کا کبھی موقع نہیں آتا۔ اس میں شک نہیں قوموں پر مصائب آسکتے ہیں، انہیں قتل بھی کیا جاسکتا ہے، انہیں گھروں سے بھی نکالا جاسکتا ہے لیکن اگر سوچنے کی عادت ہو تو ان سے بچنے کی راہیں بھی نکل سکتی ہیں''۔

(المصلح مؤرخہ 25 اگست 1953ء)

1: الرحمٰن : 30

2: بخاری کتاب المغازی باب مَرَضِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم وَ وَفَاتِہٖ